بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

(گذشتہ سے پیوستہ)

جرم و خیانت کے سلسلے کی کڑی وہ معاملات بھی ہیں جن کے احتساب کا بڑے دھڑلے سے ہماری فوجی حکومت کے سربراہ نے ابتدا ہی سے اعلان کیا تھا، اور پھر اس اعلان کو کئی بار دہرایا گیا۔ آخر اس معاملے میں "ما ہمی" "تائیں قش" چہ معنی دارد!

احتساب ہونا چاہیے، تیز رفتاری سے ہونا چاہیے اور حسب ذیل صورتوں میں ہونا چاہیے:۔

ا۔ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۷ء کے تمام سابق وزراء، نمائندگان، عہدہ داران جن کے متعلق حکومت کے پاس مواد موجود ہے کہ انہوں نے اختیارات یا حکومت کے اموال کو غلط طور پر استعمال کیا ہے، ان کے خلاف مقدمے چلائے جائیں اور ان کو نہ صرف سزا دی جائے بلکہ سرکاری یا قومی دولت کو ان سے واپس حاصل کیا جائے۔

۲۔ تمام سرکاری ملازمین جنہوں نے گزشتہ انتخاب (۱۹۷۷ء) میں ناجائز کارروائیاں کی تھیں۔ ان سب کو احتساب کے شکنجے میں کسا جائے۔

۳۔ وہ تمام افسران و ملازمین جنہوں نے معقول حدود سے تجاوز کر کے مظاہرین پر ظلم و زیادتی کی ہو، لوگوں کی جانیں لی ہوں، ان کو شدید طور پر مضروب کر کے اذیت دی ہو، ان کے متعلق پبلک سے شکایات مع شہادت طلب کر کے انہیں بھی عدالتوں میں کھڑا کیا جائے۔

۴۔ وہ تمام افسران اور ملازمین جنہوں نے تھانوں میں، جیلوں میں، دلائی کیمپ اور شاہی قلعے میں، نیز سی آئی اے کے مختلف اداروں میں تفتیش کے نام سے بعض نوجوانوں کے اعضا، بعض لوگوں

کے اعصاب، بعض کی دماغی قوتوں اور بعض کے جنسی اعضاء کو سخت قسم کا نقصان پہنچایا ہو، یا جنہوں نے زیرِ تفتیش لوگوں کے سامنے اُن کی ماؤں، بہنوں یا بیویوں اور بیٹیوں کو بلوا کر اُن کے وقار کو مجروح کیا ہو، اُن کے متعلق جتنی بھی شکایات اور درخواستیں سامنے آئیں، تحقیقات کر کے مجرمین کو سزائیں دی جائیں۔

۵۔ بڑے بڑے قومی سانحے، مثلاً لیاقت باغ میں قتلِ عام (جس کے متعلق کچھ کارروائی ہو رہی ہے) تاجپورہ کے جلسے میں خونریزی، گورنر ہاؤس میں ممن آباد کی لڑکیوں کو اغوا کر کے لایا جانا۔ دلائی کیمپ کے لبطور جیل استعمال کیے جانے کا قضیہ، ان سب سے تعلق رکھنے والوں کے پارٹ کی تحقیق کر کے ہر معاملے کو کسی نتیجے پر پہنچایا جائے۔

۶۔ اگر کام کو جلد ختم کرنے اور مؤثر بنانے کے لیے ضلع وار ٹریبونلز قائم کئے جا سکیں تو پھر بہتر یہ ہوگا کہ پوری قوم کو دعوت دی جائے کہ اس پچھلے عرصے میں اگر ان کی کوئی حق ماری ناجائز طور پر کی گئی ہو، اُن کو کسی مفاد سے انتقاماً محروم کیا گیا ہو، کسی سرکاری ملازم نے خود کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا ہو یا کسی اور کو فائدہ پہنچایا ہو تو لوگ باضابطہ درخواستیں دے کر اپنے کیس پیش کریں۔

۷۔ کسی ملازم کے متعلق اگر ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی معاملے میں سیاسی یا مذہبی تعصب سے کام لے کر غیر مستحق کو مستحق پر ترجیح دی ہے، کسی شخص کو ملازمت سے نکلوایا یا تکلیف دہ صورت میں ٹرانسفر کیا ہے یا کسی کے معاملے میں ناجائز حمایت یا ناجائز مخالفت کی ہے تو ایسے ملازم کے خلاف کیس ثابت ہونے پر سخت کارروائی کی جائے۔

اس طرح سے اگر معاشرے میں ایک بار بھرپور احتسابی عمل ہو جائے تو جرم پسندوں اور مجرموں کے سرپرستوں کی ایک بڑی تعداد میدان ہی خالی نہیں رہ سکے گی اور نہ اس کا اخلاقی وزن باقی رہے گا۔ ساتھ ہی ساتھ بے شمار لوگوں کی ناجائز آمدنیوں اور کارروائیوں کا سراغ لگ جائے گا۔ کمزور قسم کے جرم پسند لوگ دبک جائیں گے، دوسری طرف اصلاح پسند شریف عنصر کو معاشرے کو بہتری کے رُخ پر ڈالنے میں سہولت ہوگی۔

شاید یہ بات سب کو یاد ہو کہ جس دن اوّل اوّل احتساب کے پروگرام کا ذکر ہوا تھا، تمام معاشرے میں، خصوصاً اس کے شرافت پسند لوگوں میں مسرت افزا امید ولا کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ اب

وعدۂ احتساب کو ٹالنا کوئی اچھا نتیجہ نہیں دے گا۔

خود یہ امر بھی لوگوں میں اضطراب کا باعث ہے کہ جنرل ضیاء الحق جیسے مخلص مسلمان نے اسلام کے احیاء کے لیے جو کام پورے ایمانی جذبے سے شروع کیا تھا، آہستہ آہستہ اس کی رو دھیمی ہوتی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف وجوہِ پریشانی جو سامنے آتے رہتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ شروع میں اسلامی کونسل کے قیام کے وقت، اور پھر اعلامیۂ محرم اور اعلامیۂ ربیع الاوّل کے موقع پر ان کے ذوق وشوق نے لوگوں میں ایک زوردار ذہنی حرکت پیدا کر دی تھی۔ لیکن بعد میں یہ ہوا کہ ایک تو نئے اقدامات نہیں ہو رہے، دوسرے یہ کہ جو اقدامات کیے گئے تھے وہ ادھورے رہ گئے، اور تیسرے یہ کہ نوکرشاہی نے جو عدم تعاون کیا بلکہ مزاحمت دکھائی اس کا توڑ کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا گیا۔

۲۔ احیائے اسلام کے سلسلے میں بعض وعدے ایفا ہی نہیں ہو سکے۔ مثلاً چادر اور چار دیواری کے تقدس کا جو نیا سلوگن جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی معاشرت کو غالب رکھنے کے لیے قوم کو دیا تھا، اس کے خلاف جو جارحانہ حرکات ایک طرف مجرموں کی طرف سے، اور دوسری طرف سرکاری مشینری کی طرف سے ہوئیں، ان کے سدِّباب کی کوئی فکر نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ یہ قیمتی سلوگن بے جان ہو گیا۔

اسی طرح خواتین یونیورسٹی (ایک یا دو) کے قیام کا بڑا حتمی وعدہ کیا گیا تھا، اور اسے دہرایا بھی گیا۔ لیکن آخر میں بات پنجاب یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی کے ساتھ ویمن کیمپس قائم کرنے پر آ ٹھہری اور اس حد تک بھی کوئی گرم جوشی باقی نہیں ہے، بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے ڈھیلے ڈھالے رسمی طریق سے ہو رہا ہے۔ بلکہ کچھ نہیں ہو رہا۔

۳۔ شرعی عدالتوں کا قیام ملک کے کچھ حصوں میں ہوا اور کچھ میں نہیں۔ جہاں جہاں یہ قیام ہوا ہے، وہاں بھی ابھی تک کوئی ایسی کارروائی سامنے نہیں آئی جو لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہو۔ شرعی عدالتوں کے دو ایک فیصلوں کو بالاتر سول عدالتوں نے کالعدم کر دیا۔ اس وقت تین قسم کے عدالتی نظام چل رہے ہیں: سول، فوجی اور شرعی۔ ان میں سے سب سے کمزور اور بے اثر شرعی عدالتوں کا نظام ہے۔ ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ ان شرعی عدالتوں کے سامنے چند تعزیری قوانین تو بنا کے رکھ دیے گئے

ہیں، مگر ضابطۂ کارروائی (PROCEDURAL CODE) مرتب نہیں ہے۔ یہ کمی شرعی عدالتوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا باعث ہے۔

۴۔ کچھ لوگوں کے سامنے یہ اہم مسئلہ بھی ہے کہ ملکی شرعی قانون اکثریت کے فقہی رجحانات کے مطابق ہوتے ہیں، تمام مختلف فقہوں کے پیروکاروں کو اپنے پرسنل لاء کے تحت فیصلے حاصل کرنے کا حق دیا جاسکتا ہے جیسا کہ ۱۹۵۱ء میں جملہ مکاتب فکر کے ۳۱ علماء (جن میں شیعہ مجتہد بھی شامل تھے) نے طے کیا تھا اور اُس وقت سے اب تک اس بارے میں کوئی اختلافی آواز نہیں اُٹھی۔ مگر اب شیعہ برادران کے مطالبے پر حکومت نے دوسرے ملکی قانون کے لیے جو رجحان ظاہر کیا ہے، وہ اگر درست ہے تو پھر ہر فقہ کے پیرو خصوصاً غیر مسلم حضرات اور قادیانی بھی یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ایک ایک ملکی نظام قانون ہمارا بھی الگ ہونا چاہیے۔ یعنی بیک وقت دسیوں ملکی قوانین ہوں گے، دسیوں عدالتیں الگ الگ بیٹھیں گی۔ دسیوں نظام اوقاف ہوں گے۔ دسیوں نظام تعلیم ہوں گے۔ اور دسیوں ادارہ ہائے زکوٰۃ ہوں گے۔ کیا یہ قابلِ عمل ہے۔ یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد سے لوگوں میں یہ تشویش پائی جاتی ہے کہ کہیں اسلامی نظام کی تحریک کو فیل کرنے کے لیے تو کوئی سازش نہیں کی گئی جس کے مالہٗ و ماعلیہ موجودہ حکومت پر پوری طرح واضح نہیں ہیں؟ یا پھر کیا ایسا ہے کہ حکومت میں شریک کچھ عناصر (خواہ وہ بیوروکریسی سے تعلق رکھتے ہوں) اس طرح کا تماشا دکھوانے کے حق میں ہوں۔

سمجھدار لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح تو اسلامی نظام کا سارا خواب ہی درہم برہم ہو جائے گا۔

براہ کرم اِن وجوہِ تشویش کو دُور کرنے کے لیے تدابیر کیجیے۔

تشویش و اضطراب کا ایک سبب لوگوں کا یہ تاثر بھی ہے کہ قریبی عرصے میں حکومت کی طرف سے نظریۂ اسلامی اور مخالفِ اسلام نظریات رکھنے والے متضاد عناصر کے لیے ایک غیر جانب دارانہ اور مساویانہ رویے کا مظاہرہ ہونے لگا ہے۔

حالانکہ کوئی بھی حکومت یا قیادت جو کسی معاشرے میں ایک عقیدے اور ایک اصول کے تحت تبدیلی لانے کا اعلان کرچکی ہو اور اس کے لیے بعض اقدامات عمل میں لاچکی ہو، اپنے آپ کو کسی بھی طرح معاشرے کی معروف نظریاتی کشمکش میں غیر جانب دار نہیں رکھ سکتی۔ اُسے تو مثبت طور پر ایک دین کے غلبے کے لیے

کام کرنا ہے اور دوسری طرف اس دین کے مخالف نظریات و تحریکات کے اثر سے معاشرے کو بچانا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم بھی جاری کرے، اور پھر مخالفِ صلوٰۃ تقریروں اور مظاہروں کو بھی گوارا کرے، یا وہ سود کو ممنوع بھی ٹھہرائے اور کچھ لوگوں کو سودی نظام کے حق میں اور غیر سودی نظام کے خلاف محاذ آرائی کی اجازت بھی دے دے۔

لیکن اس وقت تحریروں اور تقریروں میں اسلام، اسلامی عناصر اور اسلامی قوانین کے خلاف مخالفانہ استدلال سے لے کر طنز و تضحیک تک ہر طریق سے کام کیا جا رہا ہے۔ مگر حکومت غیر جانبداری کے مقامِ اعراف پر کھڑی دونوں طرف کے مناظر کو دیکھ رہی ہے۔

اگر اس کی صورت یہ ہے کہ حکومت کے عمائد ہیں تو اپنے اسلامی نظریات ہی پر مستقیم، مگر بربنائے ضرورت یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کسی نظریے، کسی پروگرام، کسی جماعت اور کسی قیادت کے نہ حامی ہیں نہ مخالف۔ بلکہ وہ کافر و مومن، شریف و مجرم، جارح اور مدافعت کنندہ سب کے لیے یکساں شفیق ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اس روش کا نتیجہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جن لوگوں کی ہڈیوں کے گودے تک میں موجودہ حکومت کی نظریاتی مخالفت رچی بسی ہے ان کے خیالات اور رویے بدل کر حکومت کی طاقت بڑھانے کا باعث ہوں گے۔ بخلاف اس کے اس کا یہ اثر ضرور ہو گا کہ ملک کے جو خواص اور عوام موجودہ حکومت کی چاہت اوّل روز سے صرف اس بنا پر رکھتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں اسلام کا بول بالا ہونے والا ہے اور اسلام دشمن رجحانات کا زور ٹوٹنے والا ہے، اُن کے جذبات پر اوس پڑ جائے گی۔ آخر وہ اپنے آپ کو اس نظریاتی لڑائی میں کیسے غیر جانب دار بنا لیں جس میں وہ برسوں سے حصہ لیتے ہوئے کتنی ہی بار زخم کھا کھا کر آگے بڑھے ہیں۔

غیر جانب داری کی ایک مفروضہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ خدانخواستہ موجودہ حکومت کے عمائدین کا سرے سے نقطۂ نظر ہی ادھر چند ہفتوں میں بدل گیا ہو، اور اس نے اسلام کے لیے کام کرنے کا جو پروگرام بنایا تھا، اسے ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو اور اسلامی صبغۃ اللہ کو چھوڑ کر سیکولر طرز کی بے رنگی اختیار کر لی ہے۔

خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، اور ایسا ہو بھی تو محترم جنرل محمد ضیاء الحق کے اعلانات اور سابق کردار کے ہوتے ہوئے مخالفینِ اسلام میں سے کون اسے ملنے گا۔ خاص طور پر کمیونسٹ عناصر اور پیپلز پارٹی

کے لوگوں کے متعلق تو ہمارے تمام فوجی اکابر خوب سمجھتے ہونگے کہ آپ اگر سارا خزانہ بھی ان میں لٹوا دیں اور انہیں اہم اداروں کی بلند ترین مسندوں پر بٹھا دیں اور ان کو من مانی کرنے کی چھوٹ دیں تو بھی ان کے نعرۂ انتقام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

غیر جانب داری کی اس پالیسی کا سارا فائدہ مخالف قوتوں کو مل رہا ہے۔ پنڈی کے پریس کلب میں منہاج برنا جیسے "نامی گرامی" اور "صاحبِ کارنامہ ہائے رنگا رنگ" آدمی کی سرپرستی میں جلسہ ہوتا ہے اور اس میں دین اور خدا اور رسول کے خلاف جارحانہ الحادیت اپنا زہریلا بخار نکالتی ہے، مگر حکومت تعرض نہیں کرتی۔ اسی طرح بھٹو کے چالیسویں کے موقع پر جو نعرے بلند ہوئے اور اب بے نظیر صاحبہ نے مخالفت دین و وطن میں جو بے نظیر باتیں کہیں، انہیں سُنی اَن سُنی کر دیا گیا۔

مگر کیا اس طرح فضا روز بروز خراب نہ ہوتی جائے گی۔

کسی حکومت کی غیر جانب داری کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اپنوں پرایوں اور پارٹیوں کی تقسیموں کا لحاظ کیے بغیر اپنے اعلان کردہ لائحہ عمل کی حمایت کی قدر کریں، اور اس کی مخالفت پر گرفت کریں۔ نیز قانونی معاملہ سب کے سامنے یکساں رکھیں۔ غیر جانب داری کا یہ تصور دنیا کی تاریخ میں نیا ہوگا کہ جس نظریہ و نظام کی علمبرداری کی جائے، اس کے مخالف نظریات و تحریکات کی بھی ویسی ہی پذیرائی کی جائے۔

اس طرح کا موجودہ طرزِ عمل لوگوں کے لیے تشویش کا باعث ہے اسے درست کر لیا جائے تو اچھا ہے۔ ورنہ انتخابات سے مثبت نتائج حاصل کرنے کی خواہش سے کیا فائدہ!

اسی طرح کچھ اور چیزیں بھی قابلِ توجہ ہیں،

۱۔ شروع میں کچھ عرصے تک چار قومیتوں کا سوال اور صوبوں کے مستقل ریاستیں ہونے کا خیال دبا رہا اب باتیں کھل کر ہو رہی ہیں۔ حکومت اب تک یہ نہ کر سکی کہ وہ کسی موجودہ قانون کے تحت یا از سرِ نو قانون سازی کر کے ان چیزوں کو ممنوع قرار دے اور ان پر عدالتوں کے ذریعے گرفت کرے۔

۲۔ یہاں افغانستان کی طرح کا خونیں انقلاب لانے کی دھمکیاں حکومت اور پبلک کو صاف صاف لفظوں میں دی جا رہی ہیں، مگر کوئی صورت انسداد نہیں۔

۳۔ فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے کی بار بار کوشش کی جا رہی ہے۔ محض اظہارِ اختلاف تک بات محدود

نہیں، باقاعدہ اشتعال دلا کر افتراق کی وبا کو پھیلایا جا رہا ہے۔ افراد اور جماعتوں کے خلاف جھوٹے الزامات کے علاوہ دشنام طرازی تک کی جا رہی ہے۔ مگر ملک کے کارپردازوں کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں۔

۴۔ عدلیہ کے متعلق اشاراتی حدود سے گذر کر معاملہ اب صراحت تک آ گیا ہے۔ ججوں کے نام لے لے کر دسیوں مرتبہ کھلی کھلی توہینِ عدالت کی جا چکی ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں۔ توہینِ عدالت ایک ایسا فعل ہے جس کا ارتکاب اگر دس ہزار افراد نے بھی کیا ہو تو انہیں پکڑ کر قانون کے سامنے کھڑا کرنا چاہیے۔ مرحلۂ آغاز سے ہی اس کی روک تھام ہو جاتی تو سلسلہ آگے نہ چلتا۔ مگر کچھ ہوتا ہوا تا کیوں نہیں؟

۵۔ حال ہی میں پیپلز پارٹی کے حلقوں سے "انتقام انتقام" کے جو نعرے بلند ہوتے ہیں وہ حد درجہ خطرناک ہیں۔ یعنی اول تو عدالتی فیصلے کو تسلیم نہ کرنے کی بیماری اس کے پیچھے موجود ہے۔ یوں ظاہر کیا جا رہا ہے جیسے کسی جرم کے بغیر ایک شخص کو دھر رگڑا گیا ہے، لہٰذا اب اس کے معتقدین انتقام لینے کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں۔ اس نعرے کے معنی تو یہ ہیں کہ یہ لوگ انتقام لینے کے لیے اٹھیں اور دوسری طرف سے پبلک کا ایک حصہ اپنی مدافعت کے لیے حرکت میں آئے اور باقاعدہ اجتماعی خونریزی یا سول وار شروع ہو جائے۔ ابھی تو ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ہی سامنے ہیں۔ جب یہ شجرِ فتنہ پرورش پا جائے گا تو اسٹیجوں پر "صاحب" کی بیوی اور بیٹی آ کر وہ ماتمی ڈرامہ کریں گی کہ انتقام کا لفظ آہنی تلوار میں بدل جائے گا جو عورت کے آنسوؤں کی سان پہ لگ کر نہ جانے کیسی کاٹ دکھلائے گی۔

اور کچھ اندازہ ہے کہ اس نشترِ انتقام کی زد کہاں کہاں تک آتی ہے؟ یہ محض کسی سیاسی عنصر ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ شریانِ قیس ناتواں تک پہنچتی ہے۔

حکومت کے عمائدین گہری بصیرت اور مضبوط قوت سے کام لیے بغیر اس فتنوں بھرے معاشرے سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ ہر چیز کی گہرائی تک پہنچنا، اور وقت پہ سمجھنا اور ضرر و خطر کی ہر قسم کا صحیح مرحلے پر قلع قمع کرنا بے حد ضروری ہے۔

اضطراب اور انتشار کی حالت لوگوں میں جا و بے جا سوالات پیدا کرتی ہے۔ مثلاً بہت ہی دبے لفظوں میں خاص خاص سطحوں پہ کچھ لوگ اس طرح سوچنے لگے ہیں کہ محترم جنرل ضیاء الحق کے نظریات، اعلانات، پروگراموں اور رویوں میں کچھ عرصے کے اندر جو تغیر آ گیا ہے (جس کے متعدد (باقی بر صفحہ ۴۶)